رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۵

قل ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء ۔ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا

الفضل قادیان

The ALFAZL QADIAN.

ایڈیٹر: غلام نبی

ہفتہ میں تین بار

نمبر ۸۹ | مورخہ ۱۸ شوال ۱۳۵۳ھ | یوم پنجشنبہ | مطابق ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء | جلد ۲۲

مدینۃ المسیح

سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے متعلق ۲۲ جنوری بعد دوپہر کی ڈاکٹری رپورٹ مظہر ہے۔ کہ حضور کو پیچش کی شکایت ہے۔ احباب صحت کے لئے دعا کریں۔

سیدہ ام طاہر احمد حرم ثانی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کو درد جگر کی تکلیف ہے۔ دعائے صحت فرمائی جائے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے اپنے دست مبارک سے ۲۰۔ جنوری کو جناب مرزا عبدالغنی صاحب پنشنر کینیا گورنمنٹ کے مکان کی محلہ دارالبرکات میں بنیاد رکھی اور دعا فرمائی۔

جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوت و تبلیغ کو اب نسبتاً افاقہ ہے۔ کامل صحت کے لئے احباب دعا کریں۔

جناب مولوی فرزند علی خانصاحب ناظر امور عامہ ۲۱ جنوری لاہور تشریف لے گئے۔

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

مومن کیلئے ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے

فرمایا:۔ مومن ہو کر ابتلا سے کبھی بے فکر نہیں ہونا چاہیئے اور ابتلا پر زیادہ ثبات قدم دکھانے کی ضرورت ہوتی ہے اور حقیقت میں جو سچا مومن ہے۔ ابتلا میں اس کے ایمان کی حلاوت اور لذت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی قدرتوں اور اس کے عجائبات پر اس کا ایمان بڑھتا ہے۔ اور وہ پہلے سے بہت زیادہ خدا کی طرف توجہ کرتا۔ اور دعاؤں سے فتح باب اجابت چاہتا ہے۔ یہ افسوس کی بات ہے۔ کہ انسان خواہش تو اعلےٰ مدارج اور مراتب کی کرے۔ اور ان تکالیف سے بچنا چاہے۔ جو ان کے حصول کے لئے ضروری ہیں۔

یقیناً یاد رکھو۔ کہ ابتلاء اور امتحان ایمان کی شرط ہے۔ اس کے بغیر ایمان۔ ایمان کامل ہوتا ہی نہیں۔ اور کوئی عظیم الشان نعمت بغیر ابتلا ملتی ہی نہیں ہے۔ دنیا میں بھی عام قاعدہ یہی ہے۔ کہ دنیوی آسایشوں اور نعمتوں کے حاصل کرنے کے لئے قسم قسم کی مشکلات اور رنج و تعب اٹھانے پڑتے ہیں طرح طرح کے امتحانوں میں سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر کامیابی کی شکل نظر آتی ہے اور پھر بھی وہ محض خدا تعالےٰ کے فضل پر موقوف ہے۔ پھر خدا تعالےٰ کی جیسی نعمت عظمیٰ جسکی کوئی نظیر ہی نہیں۔ یہ بدوں امتحان کیسے میسر آسکے۔ پس جو چاہتا ہے کہ خدا تعالےٰ کو پائے اسے چاہیئے۔ کہ وہ ہر ایک ابتلاء کے لئے تیار ہو جائے۔ (الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۴ء)

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے ارشاد پر جماعت احمدیہ نے مطالبہ سے چار گنا زیادہ رقم پیش کر دی

ساڑھے ستائیس ہزار کی تحریک میں ایک لاکھ سے زائد کے وعدے

جماعت احمدیہ نے ڈیڑھ ماہ کے قلیل عرصہ میں ۳۳ ہزار روپیہ نقد اپنے امام کے قدموں میں ڈال دیا

حضرت امیر المؤمنین کا ایمان افزا اعلان

الحمد للہ رب العالمین کہ جماعت احمدیہ کے مخلصین نے میری مالی تحریک کا جو جواب دیا ہے۔ وہ مخالفوں کی آنکھیں کھولنے والا اور معاونوں کی ہمت بڑھانیوالا ہے۔ چونکہ سب نیکیوں کا سرچشمہ اللہ تعالےٰ کی ذات ہے اس لئے میں اسی پاک ذات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ اس نے ہمیں اپنی محبت کے اظہار کا ایک حقیر سا موقعہ دیکر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی ۔

چندوں کی تحریک ساڑھے ستائیس ہزار کی تھی اسکے متعلق اسوقت تک نقد تینتیس ہزار (۳۳۰۰۰) رقم آچکی ہے اور پندرہ جنوری سے پہلے ارسال شدہ وعدے کل ایک لاکھ چھبیس (۱۲۶۰۰۰) ہیں۔ جو مطلوبہ رقم سے پونے چار گنے زیادہ ہیں۔ اور ابھی بیرون ہند کے وعدے آرہے ہیں جنکو ملا کر غالباً رقم چار گنے تک پہنچ جائیگی میرے بعد کے اعلانوں کے مطابق زائد رقم کا کچھ حصہ ترجمہ انگریزی کی طباعت پر۔ کچھ اس سکیم کے مزید بوجھوں پر اور اکثر حصہ آئندہ سالوں کے اخراجات پر خرچ کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تفصیلی اعلان میں بعد میں کروں گا ۔

اس اعلان کے ساتھ سوائے ان مستثنیات کے جو پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ اب کوئی وعدہ یا نقد اس سکیم کے لئے قبول نہ کیا جائے گا (سوائے مد امانت کے۔ جس میں اب بھی دوست شامل ہو سکتے ہیں) اب جسے جوش اُٹھے۔ وُہ صدقہ میں رقم دے کر اپنی سستی کا کفارہ کرے۔ اور آئندہ سال کی سکیم کا انتظار کرے۔ لیکن یاد رہے۔ کہ ایک نیکی دوسری نیکی کی توفیق دیتی ہے۔ اس لئے چاہیئے۔ کہ سال بھر نیکیوں میں کوشاں رہے۔ تا اگلے سال بھی محرومی نہ دیکھے ۔

نادار مخلصین کے دلوں کا اندازہ کرتے ہوئے۔ اور انہیں ثواب میں شریک کرنے کے لئے میں نے اپنا چندہ تین سو کا غُرباء کے نام پر منتقل کر دیا ہے۔ یعنے تیس تیس کے دس حصے اُن غرباء کے نام کر دیئے ہیں۔ جو دل سے اس میں شامل ہونے کی خواہش رکھتے ہیں۔ مگر شامل نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالےٰ اس رقم کو ان کے لئے قبول کرے۔ اور اس کا ثواب انہیں دے۔ میں نے اپنی طرف سے مزید تین سو کی رقم قرض لیکر ادا کر دی ہے۔ پہلے میرا خیال تھا۔ کہ قسط وار ادا کر دوں لیکن بعد از غور یہی مناسب سمجھا۔ کہ جسقدر جلد سبکدوشی ہو اچھا ہے دوسرے دوستوں کو بھی چاہیئے۔ کہ جس قدر جلد ہو سکے۔ وعدے پورے کر دیں لیکن یاد رہے۔ کہ جو شخص اس سکیم کی وجہ سے قرض بڑھاتا ہے۔ وُہ اس پر عمل نہیں کرتا۔ اسے رد کرتا ہے۔ چاہیئے کہ اس سکیم میں حصہ لینے کی وجہ سے سال کے آخر میں ایک پیسہ بھی آپ پر قرض نہ ہو۔ اور قرض لیکر اس سکیم میں حصہ لیا ہو۔ تو سال سے پہلے وُہ قرض آپ ادا کر چکے ہوں۔ بلکہ کچھ اور رقم بھی آپ پس انداز کر چکے ہوں۔ غرض جو امداد دیں اپنے حالات کو بدل کر دیں۔ نہ کہ ایسا قرض چڑھا کر جس کے اُتارنے کی صورت نہ ہو ۔

چندہ کی سکیم کو کامیاب بنانیکے بعد وقت آگیا ہے کہ دوست سکیم کے دوسرے حصوں کی طرف توجہ کریں۔ اور جلد سے جلد اپنے اعمال کو اور دُنیا کے حالات کو اسلام کے مطابق بنانیکی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ آپکے ساتھ ہو۔ سُبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر۔

والسلام۔ خاکسار:۔ مرزا محمود احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الفضل

نمبر ۸۹ | قادیان دارالامان مورخہ ۱۸ شوال ۱۳۵۳ھ | جلد ۲۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ

مخلصین جماعت سے حضرت امیر المومنین کا اہم مطالبہ

خدمتِ اسلام کیلئے جماعت کا ہر فرد اپنی زندگی وقف کر دے

از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز
فرمودہ ۱۱ جنوری ۱۹۳۵ء

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

جمعہ کے لحاظ سے یہ ہندوستان کے لئے میری

تحریکات کے مالی حصہ کا آخری جمعہ

ہے۔ اس وقت تک جو وعدے جماعتوں کی طرف سے موصول ہو چکے ہیں۔ وہ

ستّر ہزار

کے قریب ہیں۔ اور جو رقوم آ چکی ہیں۔ وہ

۲۳ ہزار

کے قریب ہیں۔ آج گیارھویں تاریخ ہے۔ اور چار دن اور باقی ہیں۔ جس کے بعد یہ تحریک ہندوستان کے لوگوں کیلئے ختم ہو جائے گی۔ سوائے بنگال کے کہ

بنگال کی جماعت

میں سے جو بنگالی بولنے والا حصہ ہے۔ اور درحقیقت وہی زیادہ ہے۔ اُس نے احتجاج کیا ہے۔ کہ چونکہ ہمارے صوبہ کے ننانوے فیصدی لوگ اردو نہیں جانتے اور

"الفضل" میں شائع ہونے والے خطبات

سے ہم آگاہ نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان خطبات کا بنگالی زبان میں ترجمہ کرنے پر مہینہ ڈیڑھ مہینہ لگ جائے گا۔ اور پھر ان کے شائع کرنے اور انہیں لوگوں تک پہنچانے کے لئے بھی وقت درکار ہے۔ اس لئے انہوں نے

زیادہ مُہلت

طلب کی ہے جس پر میں انہیں ۱۵ مارچ یا ۱۵ اپریل تک (مجھے اچھی طرح یاد نہیں) مہلت دے چکا ہوں۔ بنگال کی جماعت ایک غریب جماعت ہے۔ اور جو تعلیمیافتہ جماعت ہے۔ وہ میرے خطبات سے واقف ہو چکی ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں بنگال میں اس تحریک کی اشاعت سے ہمیں مالی لحاظ سے گو معتدبہ فائدہ نہیں ہو گا۔ لیکن اپنے اخلاص کے اظہار کا انہیں ایک موقعہ مل جائے گا۔ جو بذاتِ خود ایک

نہایت ہی قیمتی چیز ہے

بنگال کو خدا تعالےٰ کے فضل سے یہ فضیلت حاصل ہے۔ کہ پنجاب کے بعد زیادہ کثرت اور سرعت کے ساتھ بنگال میں ہی ہماری جماعت پھیلنی شروع ہوئی ہے۔ شائد

بنگال اور پنجاب

کے لوگوں میں کوئی مناسبت ہے۔ کیونکہ اسلام بھی پہلے پنجاب میں پھیلا۔ اور پھر بنگال میں جتنے قلیل عرصہ میں بنگال کی جماعت پھیلی ہے۔ اتنے عرصہ میں کوئی اور جماعت نہیں پھیلی۔ یوں تو بہار میں بھی حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کئی صحابی

موجود ہیں۔ اسی طرح یو۔ پی میں۔ مگر بنگال میں بہت بعد احمدیت گئی۔ اور خدا تعالےٰ کے فضل سے اُس نے جلد جلد ترقی کی۔ گو یہ جلدی ایسی نہیں جو بنگال کی آبادی کے لحاظ سے ہو۔ مگر بہرحال دُوسرے صوبوں کے لحاظ سے اس نے ترقی کی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ ان لوگوں کا حق تھا۔ کہ گو رقم کے لحاظ سے ان کی طرف سے قلیل روپیہ آئے۔ مگر انہیں اپنے

اخلاص کے دکھانے کا موقعہ

دیا جائے۔

باقی باہر کی جماعتیں ہیں۔ اور کچھ وہ لوگ بھی۔ جنہیں ابھی تک اس تحریک کی خبر نہیں ہوئی۔ اور گو ایسے لوگ بہت قلیل ہیں۔ مگر بہرحال ہوتے ضرور ہیں۔ چنانچہ پرسوں ہی مجھے ایک خط آیا۔ کہ مجھے اس تحریک کی ابھی ابھی اطلاع ملی ہے۔ کیونکہ میں سفر پر تھا اور مجھے اخبار دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ پس ہو سکتا ہے۔ کہ ہندوستان میں بھی ایسے بے خبر لوگ موجود ہوں۔ مگر یہ قلیل تعداد ہے۔ اور ہمیں سمجھنا چاہیئے۔ کہ ان تمام حالات کو دیکھکر اندازاً

۷۵ ہزار کے لگ بھگ وعدے

ہو جائیں گے۔ جو میرے مطالبہ سے اڑھائی گنے سے زیادہ یعنی پونے تین گنے کی رقم ہے۔ ان رقوم کے علاوہ جو کام دوسرا تھا۔ اس میں دو کمیٹیوں نے کام شروع کر دیا ہے۔

پروپیگنڈا کمیٹی

نے بھی کام شروع کر دیا ہے۔ اور امانت کمیٹی نے بھی اپنے اجلاس شروع کر دیئے ہیں۔ گو

عملی کام

ابھی اس نے شروع نہیں کیا۔ مگر امید ہے۔ کہ یہ دونوں قسم کے کام اس مہینہ میں اچھی طرح شروع ہو جائیں گے۔ امانت میں جن دوستوں نے اپنے نام لکھوائے ہیں۔ خواہ وہ قادیان میں رہتے ہوں۔ یا باہر ان سب کو میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ چونکہ یہ اُن کے اخلاص کا امتحان ہے۔ اس لئے اس تحریک میں

زیادہ یاددہانیاں

نہیں کرائی جائیں گی۔ اگر کوئی شخص باقاعدہ چندہ نہیں دے گا تو دفتر امانت ایک دو یا دو یاددہانیوں کے بعد اس کا نام رجسٹر سے کاٹ ڈالے گا۔ اور سمجھا جائے گا۔ کہ اُس نے اپنے اخلاص کا محض مظاہرہ کیا تھا حقیقت اس میں نہیں تھی۔ پس دوست اس امر کی امید نہ رکھیں۔ کہ لوگ ان کے پاس پہنچیں گے۔ اور کہینگے کہ لاؤ چندہ صدر انجمن والے چندوں میں پیچھے پڑ کر چندہ لیا جاتا ہے۔ مگر یہ

طوعی والے چندے

ہیں۔ اس لئے جس طرح اس تحریک میں شامل کرنے کے لئے کسی پر جبر نہیں کیا گیا۔ اسی طرح شامل ہونے کے بعد بھی کوئی جبر نہیں ہو گا۔ پس اگر کوئی دوست اس ثواب میں شریک ہونے سے

اس وجہ سے محروم نہ رہ جائے۔ کہ اس سے چندہ مانگا نہیں گیا تو اس کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوگی۔ میری ہدایات دفاتر متعلقہ کو یہی ہوں گی۔ کہ وہ چندہ لوگوں سے مانگیں نہیں۔ مگر چونکہ

انسان کے ساتھ نسیان

بھی لگا ہوا ہے۔ اس لئے کبھی کبھار اگر ایک دو یاددہانیاں کرادی جائیں۔ تو کوئی حرج نہیں۔ مگر وعدے والے پر بھی اصرار نہ کیا جائے۔ اور خالص طور پر اس میں لوگوں کو اپنی مرضی اور شوق کے ظاہر کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ ممکن ہے اس لحاظ سے کہ چندہ مانگنے کے لئے دفاتر متعلقہ کی طرف سے زیادہ اصرار نہیں کیا جائے گا۔ رقم کچھ کم ہو جائے اور غفلت سستی۔ یا کمزوریٔ ایمان کی وجہ سے بعض لوگ رہ جائیں پھر کئی لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو

فوری جوش

میں آکر اپنا نام لکھا دیتے ہیں۔ مگر بعد میں وہ اپنے وعدوں کو پورا نہیں کرتے۔ اور گو ہماری جماعت میں ایسا عنصر بہت کم ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ دوسرے چندوں میں

اصرار کی عادت کی وجہ

سے امکان ہے۔ کہ ان چندوں میں عدم اصرار انہیں سست کردے۔ اس لحاظ سے ممکن ہے۔ کہ رقم میرے اوپر بیان کردہ اندازہ سے کچھ کم موصول ہو۔ پھر جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کچھ رقم

انگریزی ترجمہ قرآن

کے لئے علیحدہ کرلی جائے گی۔ اور کچھ رقم خرچ کے اندازوں کی غلطی کی وجہ سے بیان کردہ مدات میں ڈالنی پڑے گی۔ کیونکہ بعد میں مزید غور کرنے سے بعض مدات کے متعلق معلوم ہوا ہے۔ کہ ان پر اس سے زیادہ خرچ آئے گا۔ جتنا میں نے بیان کیا تھا۔ ان تمام اخراجات کے بعد جو رقم بچ رہیگی۔ وہ آنے والے دونوں سالوں میں تقسیم کردی جائیگی۔ امانت کے متعلق جو وعدے ہوئے ہیں۔ ان سے میرا اندازہ ہے۔ کہ

تین چار ہزار روپیہ ماہوار کی رقم

آئے گی۔ لیکن ہم یہ خیال کرتے تھے۔ اور بات بھی معقول تھی۔ کہ جنوری سے مدِ امانت میں ادائیگی شروع ہو جائیگی۔ کیونکہ جنہوں نے دسمبر میں وعدے کئے تھے۔ وہ وعدے انہوں نے اس وقت کئے۔ جبکہ وہ اپنی تنخواہیں خرچ کرچکے تھے۔ پس امید کی جاتی تھی۔ کہ وہ جنوری سے امانتیں جمع کرانی شروع کردیں گے۔ اور میں اب بھی امید کرتا ہوں۔ کہ جنہوں نے

امانت کے وعدے

کئے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہی بات ہوگی۔ مگر جن کے ذہن میں یہ بات نہ ہو۔ انہیں چاہیئے۔ کہ وہ یہ واضح کردیں۔ کہ وہ کس مہینہ سے اپنی امانت ادا کرنی شروع کریں گے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے۔ تو

دفتر امانت

یہی سمجھیگا۔ کہ جنوری سے انہوں نے وعدہ کیا ہوا ہے۔ اور یہ کہ انہوں نے اپنے وعدہ پر عمل نہیں کیا۔ اس صورت میں ایک دو ماہ کی غفلت کے بعد ان کا نام دفتر سے کاٹ دیا جائیگا اور سمجھا جائے گا۔ کہ انہوں نے صرف

دکھاوے سے کام

لیا۔ حقیقت اس میں نہیں تھی۔

پس میں اس اعلان کے ذریعہ قادیان والوں کو براہ راست اور باہر کی جماعتوں کو اخبار کے ذریعہ توجہ دلاتا ہوں۔ کہ ہم نے

مجوزہ سکیم

پر کام شروع کردیا ہے۔ اور جماعتوں کے سکرٹریوں۔ اور امراء کو چاہیئے کہ وہ میرا یہ خطبہ لوگوں کو پڑھ کر سُنادیں۔ کیونکہ اس کے سوا میری آواز اُن تک پہونچنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ ہماری جماعت اللہ تعالےٰ کے فضل سے لاکھوں کی جماعت ہے۔ مگر

اخبار "الفضل" کی اشاعت

پندرہ۔ سولہ سَو کے درمیان رہتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہزارہا آدمی ہماری جماعت میں ایسے ہیں جن کے کانوں تک

میری آواز

نہیں پہونچتی۔ بنگالی اردو کا ایک حرف تک نہیں جانتے۔ پس وہ "الفضل" سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ پھر ہمارے ملک میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے۔ جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ مسلمانوں میں سے صرف

تین چار فیصدی تعلیمیافتہ

ہیں۔ باقی ۹۶-۹۷ فیصدی ایسے لوگ ہیں۔ جو پڑھے لکھے نہیں پھر جو لوگ پڑھ بھی سکتے ہیں۔ ان میں سے کچھ غریب ہوتے ہیں اور وہ اپنی غربت کی وجہ سے اخبار نہیں منگوا سکتے۔ بہت سے سُست ہوتے ہیں۔ اور بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو لکھے پڑھے ہونے کے باوجود اخبار نہیں منگواتے۔ اور اگر ان کے قریب کوئی اور شخص اخبار منگواتا ہو۔ تو اسی سے پوچھتے رہتے ہیں سنائیے "الفضل" میں سے کوئی تازہ بات۔ گویا وہ اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔ کہ اخبار لے کر پڑھ لیا۔ یا کسی دوسرے سے کوئی ایک آدھ خبر معلوم کرلی۔ خود اسکو خریدنا ضروری نہیں سمجھتے۔

پس ان تمام لوگوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ

جماعت کے عہدیداروں کا فرض

ہے۔ کہ وہ جمعہ یا اتوار کے دن یا ہفتہ میں کسی اور موقعہ پر میرا ہر خطبہ لوگوں کو سُنادیا کریں۔ بلکہ جماعتوں کا اصل کام یہی ہونا چاہیئے۔ اور ہر جگہ کی جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ میرا خطبۂ جمعہ

تفصیلاً یا خلاصتہً

لوگوں کو جمعہ یا اتوار کے دن سُنادیا کریں۔ جس شخص کے سپرد خدا تعالےٰ نے جماعت کی اصلاح کا کام کیا ہے۔ اسے طاقت بھی ایسی بخشتا ہے جو

دلوں کو صاف کرنے والی

ہوتی ہے۔ اور جو اثر اس کے کلام میں ہوتا ہے۔ وہ دوسرے کسی اور کے کلام میں نہیں ہوسکتا۔ لیکن میں نے دیکھا ہے سکرٹریوں یا امراء کو یہ شوق ہوتا ہے۔ کہ وہ ہمیشہ خود ہی خطبہ پڑھیں۔ مجھے

کئی رپورٹیں

ایسی آتی رہتی ہیں۔ کہ جماعت کے لوگ

بعض اہم خطبات

کی نسبت چاہتے ہیں۔ کہ "الفضل" سے پڑھ کر سُنادیئے جائیں مگر سکرٹری یا امیر مصر ہوتے ہیں۔ کہ نہیں۔ وہ اپنا ہی خطبہ سُنائیں گے۔ گویا وہ اپنی تقریر کے شوق اور

لیڈری کی امنگ

میں ان فوائد سے قوم کو محروم کردیتے ہیں۔ جو جماعت کیلئے ایسے ہی ضروری ہوتے ہیں۔ جیسے بچہ کے لئے دودھ۔ پس چونکہ یہ نہایت ہی

خطرناک پالیسی

ہے۔ اس لئے آئندہ جماعتوں کو چاہیئے۔ کہ جو خطبات میں پڑھوں۔ انہیں وہ جب بھی موقعہ ملے۔ جماعت کو سُنا دیا کریں۔ جو زیادہ اہم ہوں۔ انہیں تو

جمعہ کے خطبہ کے طور پر

سُنادیں۔ اور جن میں کسی خاص سکیم کا ذکر نہ ہو۔ اسے جمعہ یا اتوار کو کوئی

الگ مجلس

کرکے خطبہ یا خطبے کا خلاصہ سُنادیا کریں۔ بعض دفعہ خطبہ لمبا ہوتا ہے۔ یا جماعت میں سے اکثر نے پڑھا ہوا ہوتا ہے اس صورت میں خطبے کا خلاصہ سُنا دینا چاہیئے۔ مگر بہرحال جماعت کے ہر ایک فرد تک خطبات کی آواز پہونچنی چاہیئے۔ جو دراصل

آواز پہنچانے کا اکیلا ذریعہ

ہے۔ ورنہ امام کے لئے اور کونسا طریق ہوسکتا ہے جس سے کام لے کر وہ جماعت کو اپنے مافی الضمیر سے آگاہ کرسکے۔ جماعت کے نام خطوط وہ لکھ نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ کتابیں بھی میں اب نہیں لکھتا۔ پس یہ خطبات ہی ایسی چیز ہیں۔ جس کے ذریعہ میں اپنا عندیہ یا وہ عندیہ جو خدا تعالےٰ سے معلوم کروں۔ ظاہر کرتا رہتا ہوں ::

اس کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ دوسرے کاموں میں سے بھی بعض کام شروع کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً جو

تبلیغ کا کام

تھا۔ اور جس کے متعلق میں نے مطالبہ کیا تھا۔ کہ دوست اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ یا جو لوگ سال میں یا دو دو تین تین سال کے بعد لمبی چھٹیاں لے سکتے ہوں۔ وہ اپنی

فرصت اور رخصت کے اوقات

کو خدا تعالیٰ کے دین کے لئے وقف کر دیں۔ تاکہ انہیں تبلیغ پر لگایا جا سکے۔ اور لوگوں کو احمدیت کی طرف متوجہ کیا جا سکے اس کام کے لئے فی الحال دو مرکز قائم کئے گئے ہیں۔ اور کام بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ لیکن میں ان مرکزوں کا نام نہیں بتاتا کیونکہ ان کا مخفی رکھنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ

چار سائیکلسٹ

بھی روانہ ہو چکے ہیں۔ لیکن ساری سکیم پر دوبارہ غور کرنے اور عملی پہلو کو اپنے ذہن میں مستحضر کرنے کے بعد میں سمجھتا ہوں۔ کہ ہمیں پانچ نہیں۔ بلکہ

سولہ سائیکل سواروں کی ضرورت

ہے۔ اور اب تجویز یہی ہے۔ کہ سولہ سائیکلسٹ مقرر کئے جائیں۔ اور چونکہ تجویز کی وسعت کے ساتھ زیادہ سائیکلوں کی ضرورت ہے۔ اس لئے میں دوستوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ بعض دوست ایسے ہوتے ہیں۔ جو پہلے سائیکل پر سوار ہوا کرتے تھے۔ مگر اس کے بعد انہوں نے موٹر خرید لیا۔ یا پہلے سائیکل پر سوار ہوا کرتے تھے۔ مگر اس کے بعد انہوں نے گھوڑا خرید لیا۔ یا اب سائیکل پر چڑھنا ہی انہوں نے چھوڑ دیا۔ اور اس طرح سائیکل ان کے پاس بے کار پڑے رہتے ہیں پس اگر ایسے دوست ہماری جماعت میں ہوں۔ خواہ وہ قادیان کے ہوں۔ یا باہر کے تو وہ اس طرح بھی ثواب کما سکتے ہیں۔ کہ

اپنے اپنے سائیکل یہاں بھجوا دیں

اگر ہم خریدنے لگیں۔ تو آٹھ نو سو روپیہ ہمارا خرچ ہو جائیگا۔ لیکن اگر اس طرح سائیکل آ جائیں۔ تو ایک ایک سائیکل پر خواہ دس پندرہ روپے بطور مرمت خرچ ہو جائیں۔ تو پھر بھی سو ڈیڑھ سو روپیہ میں کئی سائیکل تیار ہو سکتے ہیں۔ اور اس طرح بہت سی بچت ہو سکتی ہے۔ اب جو چار سائیکلسٹ گئے ہیں۔ ان میں سے ایک کے پاس اپنا بائیسکل تھا۔ جسے مرمت کرا دیا گیا۔ دو سائیکل بعض دوستوں کی طرف سے ہدیۃً ملے تھے۔ اور ایک سائیکل خرید لیا گیا۔ چونکہ یہ

تمام سائیکل سوار

پندرہ بیس دن کے اندر اندر روانہ ہونے والے ہیں۔ اس لئے قادیان یا باہر کی جماعت میں سے اگر کوئی دوست سائیکل دے سکتے ہوں۔ تو بہت جلد بھجوا دیں۔

غرض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب

سروے کا کام

بھی شروع ہو گیا ہے۔ اور تبلیغ کا کام بھی شروع ہو گیا ہے۔ گو ابھی یہ کام چھوٹے پیمانہ پر شروع کیا گیا ہے۔ تا تمام مشکلات اور حالات ہمارے سامنے آ جائیں۔ اور پھر ان کو دیکھ کر اپنے کام کو پھیلا سکیں۔ اگر پہلی دفعہ ہی کام کو زیادہ پھیلا دیا جائے۔ تو بعد میں بعض دفعہ اپنی طاقت کو سمیٹنا پڑتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم نے بہت سی طاقت ضائع کر دی۔ پس اس لئے ہم ابتداء میں ہی یکدم اپنی تمام طاقت صرف نہ کر دیں۔ اور اس لئے کہ تا

حالات کا تجربہ

ہو جائے۔ کام چھوٹے پیمانہ پر شروع کیا گیا ہے۔ جسے

تجربہ کے بعد

انشاء اللہ تعالیٰ وسیع کر دیا جائے گا۔

جن لوگوں نے میرے مطالبہ پر رخصتیں وقف کی ہیں۔ ان کی تعداد ابھی بہت تھوڑی ہے۔ غالباً زمیندار اور ملازمت پیشہ لوگوں کو ملا کر

سو کے قریب

تعداد ہے۔ حالانکہ زمینداروں کو ملا کر ہماری جماعت میں سے

تبلیغ کے قابل آدمی

ہندوستان میں ہزاروں کی تعداد میں مل سکتے ہیں۔

پس چونکہ اس

مطالبہ کے جواب میں

ابھی بہت ہی کم لوگوں نے اپنے آپ کو پیش کیا ہے۔ اس لئے میں پھر جماعت کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ وہ اس رنگ میں اپنی

زندگیوں کو دین کی خدمت کے لئے وقف کریں

میں پہلے بھی کئی دفعہ بتا چکا ہوں۔ کہ دنیا میں روپیہ کے ذریعہ کبھی تبلیغ نہیں ہوئی۔ اور جو قوم یہ سمجھتی ہے۔ کہ روپیہ کے ذریعہ وہ اکناف عالم تک اپنی تبلیغ کو پہنچا دے گی اس سے زیادہ فریب خوردہ۔ اس سے زیادہ احمق۔ اور اس سے زیادہ

دیوانی قوم

دنیا میں اور کوئی نہیں۔ روپیہ کے ذریعہ سے ہونے والا کام صرف ایک ظاہری چیز ہے۔ جس کے اندر کوئی حقیقت نہیں۔ تم روپیہ کو قلابہ تو سمجھ سکتے ہو۔ جو دو چیزوں کو آپس میں ملا دیتا ہے۔ مگر وہ عارضی چیز ہے۔ جس کے اندر کوئی پائداری نہیں۔ تم کیلوں سے مکان نہیں بنا سکتے۔ بلکہ کیلوں کا اتنا ہی کام ہے۔ کہ وہ دروازوں اور کھڑکیوں کو جوڑ دیں۔ جس چیز کے ساتھ مذہبی جماعتیں دنیا میں ترقی کیا کرتی ہیں۔ وہ

ذات کی قربانی

ہوتی ہے۔ نہ کہ روپیہ کی۔ روپیہ کے ذریعہ سے مذہبی جماعتوں نے دنیا میں کبھی ترقی نہیں کی۔ کیونکہ مذہب دلوں کو جیتتا ہے اور روپیہ کسی کے دل کو فتح نہیں کر سکتا۔

روپیہ سے فتح کئے ہوئے لوگ

زیادہ سے زیادہ غلام کہلائیں گے۔ مگر مذہب تو وہ چیز ہے۔ جو غلامی سے لوگوں کو نجات دلاتا ہے۔ اگر تم روپیہ سے دنیا کو فتح کرتے ہو۔ تو تم لوگوں کو غلام بناتے ہو۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ تم نے دنیا کو خرید لیا۔ مگر کیا غلام بھی دنیا میں کوئی کام کیا کرتا ہے۔ اس صورت میں تم دنیا کو ترقی کی طرف نہیں لاتے۔ بلکہ اسے اور بھی زیادہ

ذلیل اور تباہ

کرتے ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ بچے جس طرح اپنے ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں۔ غلام اس سے بڑھ کر خدمت کیا کرتے ہیں۔ یا غلام اور بچہ کی ایک ہی قیمت ہوتی ہے۔ اگر نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے۔ اور کیوں بچہ قیمتی ہوتا ہے۔ مگر غلام قیمتی نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہی ہوتی ہے۔ کہ تم نے غلام کو روپیہ سے خریدا ہوا ہوتا ہے۔ مگر بچہ کو ماں نے اپنی جان دے کر خریدا ہوتا ہے۔

بچہ کی قیمت

کیا ہے۔ بچہ کی قیمت ماں کا نو مہینے اپنی زندگی کا اس کے لئے وقف کر دینا ہے۔ پھر بچہ کی قیمت زچگی کے وقت ماں کا اپنے آپکو قربانی کے لئے پیش کر دینا ہے۔ زچگی کیا ہے۔ ایک موت ہے جس کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے۔ جس دن بچہ کی پیدائش ہوتی ہے۔ اسدن گھر میں دو پیدائشیں ہوتی ہیں۔ ایک ماں کی پیدائش ہوتی ہے اور ایک بچہ کی پیدائش ہوتی ہے پس ماں نو مہینے کے لئے اپنی زندگی بچہ کے لئے وقف کرتی ہے۔ پھر اپنی جان کو قربانی کے بھینٹ چڑھا دیتی ہے جسمیں کبھی تو وہ جان دیدیتی ہے۔ اور کبھی بچ کر آ جاتی ہے۔ اور درحقیقت زچگی کے وقت عورت کے جسم پر جو اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جسقدر شدائد و مشکلات میں سے وہ گذرتی ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے۔ کہ عورت اللہ تعالیٰ کے فضل کے طور پر

دوبارہ زندہ

کر دی جاتی ہے۔ ورنہ وہ حالت زندگی کی نہیں ہوتی۔ اسی لئے باوجود سخت احتیاطی تدابیر اختیار کرنیکے ہر سال ایک بڑی تعداد عورتوں کی ہلاک ہو جاتی ہے۔ کبھی ماں مر جاتی ہے۔ اور بچہ زندہ رہتا ہے

کبھی بچہ مر جاتا ہے۔ اور ماں رہ جاتی ہے اور کبھی ماں اور بچہ دونوں مر جاتے ہیں۔ اور اس طریق پیدائش میں

ہزار ہا قربانیاں

عورتوں کی طرف سے ہر سال کی جاتی ہیں۔ پھر بچہ بھی ایک طرح کا غلام ہی ہوتا ہے۔ بلکہ جتنی غلامی وہ کرے اتنا ہی شریف اور نیک سمجھا جاتا ہے۔ مگر اس میں کوئی عیب یا ذلت کی بات نہیں۔ کیونکہ وہ جان دے کر خرید اگیا ہے۔ پس درحقیقت وہی انسان دنیا میں مفید کام کر سکتے ہیں۔ جو

تمہاری روحانی اولاد

ہوں۔ اور جنہیں تم نے اپنی جانیں دے کر خریدا ہوا ہو۔ جن کے غم میں تم گھلے جا رہے ہو۔ اور جن کی ہدایت کے لئے تم خدا تعالیٰ کے دروازے کے آگے گویا روحانی رنگ میں مر چکے ہو۔ تب اس کے نتیجہ میں تمہیں جو فرزند ملیں گے وہ تمہارے روحانی فرزند ہونگے۔ مگر جن کو مبلغوں کے ذریعہ روپیہ دے کر تم خریدو گے وہ غلام ہونگے اور غلام کے ذریعہ تم کسی کام کی توقع نہیں کر سکتے یورپ کے مشنریوں نے روپیہ کے ذریعہ کتنی تبلیغ کی۔ مگر ایک جگہ بھی وہ آزاد نہیں۔ بلکہ وہ بھی غلام بنے ان کے ملک بھی غلام بنے۔ ان کے بچے بھی غلام بنے اور ان کی بیویاں بھی غلام بنیں۔

افریقہ کا بیشتر حصہ

عیسائی ہے۔ مگر کیا وہ آزاد ہیں۔ وہ اخلاقی طور پر بھی غلام ہیں وہ روحانی طور پر بھی غلام ہیں اور وہ جسمانی طور پر بھی غلام ہیں اور جب بھی ان قوموں کی

آزادی کا سوال

پیدا ہوتا ہے۔ یوروپین ممالک ہمیشہ یہی کہا کرتے ہیں۔ کہ ہم نے بہت سا روپیہ ان کی بہتری کے لئے صرف کیا ہے۔ اس لئے ہم ان ملکوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ غرض روپیہ سے خریدی ہوئی چیز بجز غلامی میں اضافہ کرنے کے اور کسی کام نہیں آسکتی۔ مگر خدا اور اس کے قائم کردہ رسول لوگوں کو آزاد کرنے کیلئے آتے ہیں انہیں غلام بنانے کیلئے نہیں آتے۔ پس اگر تم دنیا میں کامیاب ہونا چاہتے ہو۔ تو روپیہ کے ساتھ نہیں۔ بلکہ

لوگوں کو اپنی جان کے ساتھ خرید کرلاؤ

جس کو روپیہ کے ساتھ خرید کرلاؤ گے۔ وہ خود بھی ذلیل ہوگا اور تم بھی ذلیل ہوگے۔ مگر جس کو جان دے کر خرید و گے۔ وہ تم پر جان دے گا۔ اور تم اس پر قربان ہو گے۔ پس یہ غلط ہے۔ کہ تم روپیہ یا

مبلغین کے ذریعہ

کام کر سکتے ہو۔ تم اگر دنیا میں فتحیاب ہونا چاہتے ہو۔ تو جان دے کر ہوگے۔ اور جان دینے کے معاملہ میں ہرگز کوئی قوم نہیں کہہ سکتی۔ کہ چونکہ فلاں شخص نے جان دیدی ہے۔ اس لئے اس کا فرض ادا ہوگیا۔ جب تک تم میں سے ہر شخص اپنے آپ کو اس قربانی کے لئے پیش نہیں کرتا۔ جب تک تم میں سے ہر شخص یہ سمجھ نہیں لیتا۔ کہ اس کی زندگی اس کی نہیں۔ بلکہ اس کے خدا اور اس کے رسول اور اس کے امام اور

اس کے بھائیوں کی زندگی

ہے۔ جب تک اس کی جان ہر ایک کی نہیں ہو جاتی سوائے اپنے آپ کے۔ اس وقت تک اس میدان میں کسی کو کامیابی نہیں ہوئی۔ نہیں ہوسکتی نہیں ہوگی۔ پس میں جماعت کے تمام افراد کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ یہ قربانی روپیہ والی قربانی سے کم نہیں۔ بلکہ اس سے

ہزارہا گنا زیادہ اہم

ہے۔ اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ انہوں نے روپیہ ادا کرکے اپنے فرض کو پورا کر دیا۔ وہ تمسخر کرتے ہیں اپنے ایمان سے۔ وہ تمسخر کرتے ہیں۔ احکام الٰہی سے اور تمسخر کرتے ہیں خدا اور اس کے رسول سے۔ کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر یا

احد کی جنگ

کے لئے جارہے تھے۔ اس وقت اگر کوئی شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک سو روپیہ دے دیتا اور کہتا یا رسول اللہ میرا فرض ادا ہوگیا۔ تو اس کا نام مومنوں میں شمار ہوتا۔ کیا تم سمجھتے ہو خدا کا کلام اسے منافق قرار نہ دیتا۔ اگر سمجھتے ہو۔ تو پھر تم تین ہزار نہیں۔ دس ہزار روپیہ دے کر بھی کس طرح فرض کر لیتے ہو۔ کہ تمہارا حق ادا ہو گیا۔ تم سے جس چیز کا مطالبہ کیا گیا۔ اور جو اکیلا

حقیقی مطالبہ

ہے۔ وہ تمہاری جان کا مطالبہ ہے۔ نہ صرف تمہیں اس وقت اس مطالبہ کو پورا کرنا چاہیئے۔ بلکہ ہر وقت یہ مطالبہ تمہارے ذہن میں مستحضر رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس وقت تک تم میں جرأت و دلیری پیدا نہیں ہوسکتی۔ جب تک تم اپنی جان کو ایک

بے حقیقت چیز

سمجھ کر دین کے لئے اسے قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار نہ رہو۔ کیوں تم میں سے بعض لوگ معمولی تکلیفوں سے گھبرا جاتے ہیں۔ کیوں مصیبت کے وقت ان کے قدم لڑکھڑا جاتے اور کیوں

ابتلاؤں کے وقت ٹھوکر

کھا جاتے ہیں۔ اسی لئے کہ یہ بات تمہارے ذہن میں نہیں کہ تمہاری جان تمہاری نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسول اور اس کے سلسلہ کی ہے۔ تم جب جماعت میں داخل ہوتے ہو۔ تو یہ سمجھ لیتے ہو۔ کہ تم نے

ایک آنہ فی روپیہ چندہ

دینا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو روپیہ میں سے پندرہ آنے بھی قبول کرنے کو تیار نہیں میں تو سمجھ بھی نہیں سکتا۔ کہ ایک جاہل بھی ایسا خیال کرتا ہو۔ کہ روپیہ میں سے ۵ آنے لے کر اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے گا۔ آخر کیا چیز ہے جس کو تم پیش کرتے ہو۔ یاد رکھو۔ کہ اس زمانہ کو خدا تعالیٰ نے

ذوالقرنین کا زمانہ

کہا ہے۔ تم نے قرآن مجید میں پڑھا ہوگا۔ کہ لوگوں نے اس سے کہا ہم تمہیں روپیہ دیتے ہیں۔ ذوالقرنین نے اس کے جواب میں کہا۔ کہ مجھے روپیہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ میری فتوحات اور ذرائع سے ہونگی۔ میں اس تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتا۔ کہ وہ کیا ذرائع تھے۔ جن سے ذوالقرنین کام لینا چاہتا تھا۔ مگر بہر حال قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ اس نے کہا میری فتوحات روپیہ سے نہیں ہوں گی۔ بلکہ اور چیزوں سے ہونگی پس جنہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ ہم نے ۲۷ ہزار کے مطالبہ پر ۲۷ ہزار روپیہ دے دیا۔ اور اب ہمارا فرض ادا ہوگیا وہ غلطی پر ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ اگر ہماری جماعت ۲۷ ہزار روپیہ کے مطالبہ پر ۲۷ ہزار روپیہ پیش نہ کرتی۔ تو یہ اس کی

موت کی علامت

ہوتی۔ مگر ۲۷ ہزار یا ایک لاکھ روپیہ بھی اکٹھا کر دینا اس کی زندگی کی علامت نہیں کہلا سکتی۔

زندگی کی علامت

یہ ہے۔ کہ تم میں سے ہر شخص اپنی جان لے کر آگے آئے۔ اور کہے۔ کہ اے امیر المومنین یہ خدا اور اس کے رسول اور اس کے دین اور اس کے اسلام کے لئے حاضر ہے۔ جس دن سے تم سمجھ لوگے کہ تمہاری زندگیاں تمہاری نہیں بلکہ اسلام کے لئے ہیں۔ جس دن سے تم نے محض دل میں ہی یہ نہ سمجھ لیا۔ بلکہ عملاً اس کے مطابق کام بھی شروع کر دیا۔ اس دن تم کہہ سکو گے۔ کہ تم

زندہ جماعت

ہو۔ تمہارا منہ سے یہ کہہ دینا مجھے کیا تسلی دے سکتا ہے۔ کہ ہماری جان حاضر ہے۔ جب کہ میں تم سے یہ کہوں کہ تم اپنے بارہ مہینوں میں سے تین یا دو ماہ

سلسلہ کے لئے وقف

کر دو۔ اور تم میرے اس مطالبہ پر خاموش رہو۔ اس صورت میں میں کس طرح مانوں کہ تم جانیں فدا کرنے کے لئے تیار اور اسلام کے لئے انہیں قربان کرنے کے لئے حاضر ہو۔ اگر تم

سال میں سے دو تین ماہ تبلیغ احمدیت کے لئے وقف کردو۔ تو اس سے کیا ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ تم ان دو تین ماہ میں اپنے والدین یا بیوی بچوں کو ملنے کے لئے اگر جایا کرتے تھے۔ تو اب نہیں جا سکو گے۔ مگر کیا تم نے کبھی غور نہیں کیا۔ کہ ولائت سے ڈپٹی کمشنر اور

اعلیٰ حکام

جب آتے ہیں۔ تو بعض دفعہ پندرہ پندرہ سال یہاں آ رہتے ہیں۔ اور اپنے وطن نہیں جا سکتے۔ کیا ان کے والدین نہیں ہوتے۔ ان کی بیویاں اور بچے نہیں ہوتے۔ پھر انہوں نے تو کالے کوسوں جانا ہوتا ہے۔ مگر تمہیں زیادہ سے زیادہ اپنے ہی ملک کے کسی اور صوبہ میں جانا ہوگا۔ اور وہ بھی نوکریوں یا تجارت اور زراعت سے

فراغت کے اوقات

میں اور پھر اپنے گھر آ جانا ہوگا۔ بلکہ ایک دو سال کیا۔ اگر تمہیں ساری عمر کے لئے خدا اور اس کے دین کے۔ لئے یہ قربانی کرنی پڑے۔ تو تمہیں اس سے دریغ نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر جس قربانی کا میں تم سے مطالبہ کر رہا ہوں۔ وہ تو ایسی ہی ہے۔ جیسے

دسترخوان کی بچی ہوئی ہڈیاں

پس تمہاری چھٹیوں کی مثال تو ہڈیوں یا دسترخوان کے بچے ہوئے ٹکڑوں کی سی ہے۔ اور گو اب تم سے روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑے مانگے جاتے ہیں۔ مگر کبھی تم سے یہ مطالبہ بھی کیا جائیگا۔ کہ

تم اپنی ساری روٹی دے دو

اور خود ایک ٹکڑا بھی نہ کھاؤ۔ پس سر دست تو بچے ہوئے ٹکڑوں کا تم سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ اگر تم اس مطالبہ کو پورا نہیں کرتے۔ تو کس طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ تم اگلی قربانیوں کے لئے تیار ہو ؛

پس میں جماعت کے دوستوں سے پھر وہی مطالبہ کرتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں۔ کہ تم میں سے ہر فرد اس غرض کے لئے اپنے آپ کو پیش کرے گا۔ یہاں تک کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگ جائیں

مجنون کی طاقت

جس قدر بڑھ جاتی ہے۔ وہ کسی پر مخفی نہیں۔ یہاں ہی ایک استانی ہوا کرتی تھیں۔ انہیں کبھی کبھی جنون کا دورہ ہو جاتا۔ ایک دفعہ

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ

درس دے رہے تھے۔ کہ اسے دورہ ہو گیا۔ اور کوٹھے پر سے اس نے چھلانگ لگانی چاہی۔ عورتوں نے شور مچایا۔ تو حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے بھی اٹھ کر اسے پکڑ لیا۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے۔ جب حضرت خلیفہ اول رضؓ ابھی بیمار نہ ہوئے تھے۔ آپ کا جسم خوب چوڑا چکلا اور مضبوط تھا۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ آپ نے بازو نکال کر کہا تھا۔ کہ کوئی جوان ہو۔ تو بازو پکڑ کر دیکھ لے۔ مگر باوجود ایسی مضبوطی کے اور باوجود اس کے کہ پانچ سات اور عورتوں نے بھی اسے پکڑا ہوا تھا۔ پھر بھی وہ عورت ہاتھ سے نکلی جاتی تھی۔ تو جس وقت انسان مادی حدوں کو توڑ دیتا ہے۔ اس وقت اسے ایک غیر معمولی طاقت ملتی ہے۔ چاہے جسمانی حدوں کے توڑنے کی وجہ سے حاصل ہو۔ اور چاہے

روحانی قیود

کو توڑ دینے کی وجہ سے حاصل ہو۔ جس طرح انسان کے دماغ کی جب کل بگڑ جاتی ہے۔ تو اس کی طاقتیں وسیع ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح خدا کی طرف سے جب آواز بلند ہو۔ اور انسان دیوانہ وار کہے کہ آتا ہوں آتا ہوں۔ تو پھر کوئی طاقت اور قوت اسے روک نہیں سکتی۔ یہی

روحانی دیوانے

ہوتے ہیں۔ جو دنیا میں کوئی کام کیا کرتے ہیں۔ یہی روحانی دیوانے ہوتے ہیں۔ جو دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا کرتے ہیں۔ ایسا انقلاب جو اس کے تمدن میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے اس کی سیاست میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ اس کی تعلیمی حالت میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس کے اخلاق میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ ورنہ وہ

چند نقال

جو یورپین مدرسوں میں پڑھنے کے بعد مغربی اصطلاحیں رٹنے لگ جاتے ہیں۔ یا چند زمیندار جو صبح سے شام تک ہل چلا کر گھروں میں آ بیٹھتے ہیں۔ انہوں نے دنیا میں کونسی تبدیلی کر دی۔ یا کونسی وہ تبدیلی کر سکتے ہیں۔ اگرچہ اپنی ساری کمائی سامنے لا کر رکھ دیں۔ دنیا میں تبدیلی کرنے کے لئے پہلے

اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت

ہوتی ہے۔ پہلے اپنے اندر وہ چیز پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو دنیا میں زندگی کی روح پھونکنے والی ہو۔ پس میں اپنی جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ وہ اس

جسمانی قربانی کی اہمیت

کو محسوس کریں۔ اور یہ پہلا قدم ہے۔ جس کے اٹھانے کا ان سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ ورنہ اصل قدم تو یہی ہے۔ کہ ہر وقت ان کے ذہن میں یہ بات رہے۔ کہ ان کی جان ان کی نہیں بلکہ خدا کے قائم کردہ سلسلہ کی ہے۔ اور یہ کہ

وہ بزدل نہیں بلکہ بہادر ہیں

جو لوگ بہادر ہوں۔ ان سے لوگ ہمیشہ ڈرا کرتے ہیں۔ ہمارے صوبہ میں کبھی کوئی پٹھان آ جائے۔ اور اس کا کسی سے جھگڑا ہو جائے۔ تو زمیندار اسے دیکھ کر جھٹ کہنے لگ جاتا ہے۔ کہ پٹھان ہے جانے بھی دو کہیں خون نہ کر دے۔ حالانکہ ہمارے بعض پنجابی ایسے مضبوط ہوتے ہیں۔ کہ اگر ان میں سے ایک بھی پٹھان کو پکڑ لے۔ تو اسے ہلنے نہ دے۔ مگر اس کا رُعب ہی ایسا ہوتا ہے۔ کہ پنجابی کہنے لگ جاتے ہیں۔ خانصاحب آ گئے اور ان کی ساری شیخیاں کافور ہو جاتی ہیں۔ پس جو قوم مرنے کے لئے تیار ہو۔ اس سے ہر قوم ڈرا کرتی ہے۔ اسی طرح ہم بھی اگر اپنی

جانیں دینے پر آمادہ

ہو جائیں۔ تو لوگ ہم سے بھی ڈرنے لگ جائیں گے۔ مگر وہ ڈر خوف والا نہیں ہوگا بلکہ محبت والا ہوگا۔ ہم عمارتوں کو اس لئے نہیں گرائیں گے۔ کہ ان کے باغوں کو ویران اور ان کے محلات کو کھنڈر کر دیں۔ بلکہ

ہم پاخانوں کو گرا کر انہیں قلعے بنائیں گے

اسی طرح کاغذوں کو جلائیں گے۔ مگر اس طرح نہیں۔ کہ دیا سلائی سے انہیں جلا دیا۔ بلکہ ان کی گندی عبارتیں مٹا کر ان پر

پاکیزہ عبارتیں

لکھیں گے۔ پس ہمارے اصول تخریبی نہیں۔ بلکہ تعمیری ہونگے۔ کیونکہ جو قومیں تباہی کے اصول دنیا میں رائج کیا کرتی ہیں۔ وہ خود بھی تباہ ہوتی ہیں۔ اور ان کے اصول بھی ناکارہ جاتے ہیں محبت ہی ہے جو آخر دنیا کو فتح کرتی۔ اور

عالمگیر مواخات کا سلسلہ

قائم کر دیتی ہے ؛

ہمارے نوجوانوں میں سے بعض نے اپنی زندگیاں وقف کی ہوئی ہیں۔ اور میں آج کل ان کا امتحان بھی لے رہا ہوں۔ اس امتحان لینے سے جہاں مجھے یہ معلوم ہوا۔ کہ ان

نوجوانوں میں اخلاص اور جرائت

ہے۔ وہاں مجھے یہ بات بھی نہایت افسوس اور رنج سے معلوم ہوئی۔ کہ ان کی تربیت اس رنگ میں نہیں ہوئی۔ جس رنگ میں اسلام لوگوں کی تربیت کرنا چاہتا ہے۔ اسلام مومن کے دماغ میں ایک وسعت پیدا کر دیتا ہے۔ اتنی بڑی وسعت کہ ہر مومن اپنے آپ کو

دنیا کا بادشاہ

سمجھتا ہے۔ وہ کسی ایک صوبہ یا ایک ملک یا ایک براعظم کا نہیں۔ بلکہ ساری دنیا کا اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا ہے۔ اور دنیا کے ہر شعبے کی طرف اپنی نگاہ دوڑاتا۔ اور ہر شعبے سے اپنے لئے فوائد اخذ کرتا ہے۔ اسی لئے صوفیاء کرام نے انسان کو

عالم صغیر

کہا ہے۔ اور گو ظاہری الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے ہر انسان کو عالم صغیر کہا ہے۔ مگر در حقیقت ان کی

انسان سے مراد انسان کامل ہے

جس طرح ایک انچ کا شیشہ بھی اگر ایک وسیع باغ کے سامنے رکھ دیا جائے۔ تو اس باغ کے تمام پودے نہایت چھوٹے پیمانہ پر شیشے میں نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اور جس طرح سبزہ زار کو ظاہری طور پر دیکھ کر انسان لطف اندوز ہوتا ہے۔ اسی طرح شیشہ میں دیکھ کر لطف اٹھا سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک

مومن کی نگاہ

تمام دنیا پر وسیع ہوتی ہے اس کا دماغ روشن۔ اس کی عقل تیز اس کے حوصلے بلند۔ اس کی امنگیں شاندار اور اس کی خیال آرائیاں بہت اونچی ہوتی ہیں۔ مگر مجھے نہایت ہی افسوس سے معلوم ہوا۔ کہ "جامعہ احمدیہ" میں جو طلباء تعلیم پاتے ہیں۔ انہیں

کنوؤں کے مینڈکوں کی طرح

رکھا گیا ہے۔ ان میں کوئی وسعت خیال نہ تھی۔ ان میں کوئی شاندار امنگیں نہ تھیں اور ان میں کوئی روشن دماغی نہ تھی میں نے کرید کرید کر ان کے دماغ میں داخل ہونا چاہا۔ مگر مجھے چاروں طرف سے ان کے دماغ کا راستہ بند نظر آیا۔ اور مجھے معلوم ہوا۔ کہ سوائے اس کے کہ انہیں کہا جاتا ہے۔ وفات مسیح کی یہ یہ آیتیں رٹ لو۔ یا نبوت کے مسئلہ کی یہ دلیلیں یاد کر لو۔ انہیں اور کوئی بات نہیں سکھائی جاتی۔ جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ ہمارا کام اتنا ہی ہے کہ کچھ لوگ خرابی کریں اور ہم اسے مٹا دیا کریں۔ گویا خدا کے پاس نعوذ باللہ

تعمیری کام

کوئی نہیں۔ اگر ہے تو تخریبی کام ہی ہے۔ اور پھر اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ اگر چند مولوی یہ خیال نہ گھڑ لیتے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے۔ یا چند مولوی یہ خیال نہ پھیلا دیتے۔ کہ مسیح ناصری آسمان پر زندہ موجود ہیں تو نہ

مسیح موعود کی ضرورت

تھی۔ اور نہ سلسلہ احمدیہ کے قیام کی۔ گویا ہماری جماعت صرف چند مولویوں کے ڈھکوسلوں کو دور کرنے کے لئے دنیا میں قائم ہوئی ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا۔ اس سے زیادہ ذلیل اس سے زیادہ ادنیٰ اس سے زیادہ رسوا کن اور اس سے زیادہ

کمینہ خیال

بھی دنیا میں کوئی اور ہو سکتا ہے۔ پس یہ عالم ہیں۔ جنہیں جامعہ تیار کر رہا ہے۔ اور یہ مبلغ ہیں۔ جنہیں احمدیت کی تبلیغ کے لئے تعلیم دی جا رہی ہے۔ حالانکہ یہ ویسے ہی

مسجد کے ملنٹے

ہیں۔ جن کو مٹانے کے لئے یہ سلسلہ قائم ہوا ہے۔ میں نے عام طور پر لڑکوں سے سوال کر کے دیکھا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ کثرت سے طالب علم ایسے ہیں۔ جنہوں نے کبھی اخبار کو پڑھا ہی نہیں۔ کیا دنیا میں کبھی کوئی ڈاکٹر کام کر سکتا ہے۔ جسے معلوم ہی نہیں کہ مرضیں کون کون سی ہوتی ہیں۔ میں نے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا ہے۔ آپ راتوں کو بھی کام کرتے اور دن کو بھی کام کرتے اور

اخبارات کا باقاعدہ مطالعہ

رکھتے۔ اسی تحریک کے دوران میں خود اکتوبر سے لے کر آج تک ۱۲ بجے سے پہلے میں کبھی نہیں سویا اور اخبار کا مطالعہ کرنا بھی نہیں چھوڑا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو میں نے اس طرح دیکھا ہے۔ کہ جب ہم سوتے اس وقت بھی آپ جاگ رہے ہوتے اور جب ہم جاگتے تو اس وقت بھی آپ کام کر رہے ہوتے۔ جب انہیں پتہ ہی نہیں۔ کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے تو وہ دنیا میں کام کیا کر سکتے ہیں۔ میں نے جس سے بھی سوال کیا۔ معلوم ہوا کہ اس نے اخبار کبھی نہیں پڑھا۔ اور جب بھی میں نے ان سے امنگ پوچھی۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہم تبلیغ کریں گے۔ اور جب سوال کیا کہ

کس طرح تبلیغ کرو گے

تو یہ جواب دیا۔ کہ جس طرح بھی ہوگا تبلیغ کریں گے۔ یہ الفاظ کہنے والوں کی ہمت تو بتاتے ہیں مگر عقل تو نہیں بتاتے الفاظ سے یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ کہنے والا ہمت رکھتا ہے۔ مگر یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ کہنے والے میں عقل نہیں اور نہ وسعت خیال ہے۔ جس طرح ہوگا تو سؤر کیا کرتا ہے۔ اگر سؤر کی زبان ہوتی اور اس سے پوچھا جاتا کہ تو کس طرح حملہ کرے گا تو وہ یہی کہتا کہ جس طرح ہوگا کروں گا۔ بس سؤر کا یہ کام ہوتا ہے۔ کہ وہ سیدھا چل پڑتا ہے۔ آگے نیزہ لے کر بیٹھو تو وہ نیزہ پر حملہ کر دے گا۔ بندوق لے کر بیٹھو تو

بندوق کی گولی

کی طرف دوڑتا چلا آئے گا۔ پس یہ تو سؤروں والا حملہ ہے کہ سیدھے چلے گئے۔ اور عواقب کا کوئی خیال نہ کیا۔ حالانکہ دل میں ارادے یہ ہونے چاہئیں۔ کہ ہم نے دنیا میں کوئی

نیک اور مفید تغیر

کرنا ہے۔ مگر اس قسم کی کوئی امنگ میں نے نوجوانوں میں نہیں دیکھی۔ اور اسی وجہ سے جتنے اہم اور ضروری کام ہیں۔ وہ اس

تبلیغی شعبہ

سے پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جماعت ترقی نہیں کرتی۔ حالانکہ مبلغ کا کام یہ ہے۔ کہ وہ دنیا میں ایک آگ لگا دے۔ جہاں جائے وہاں دیا سلائی لگائے۔ اور آگے چلا جائے۔ اگر مبلغ ایک جنگل کو صاف کرنے بیٹھے تو وہ اور اس کی نسلیں بھی ہزار سال میں ایک جنگل کو صاف نہیں کر سکتیں۔ لیکن اگر وہ سوکھی لکڑیوں اور پتوں وغیرہ کو اکٹھا کر کے دیا سلائی لگاتا چلا جائے۔ تو چند دنوں میں ہی تمام جنگل

راکھ کا ڈھیر

ہو جائے گا۔ پس مجھے نہایت ہی افسوس سے معلوم ہوا۔ کہ

مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کی تعلیم

نہایت ہی ناقص نہایت ہی ردی اور نہایت ہی ناپسندیدہ حالت میں ہے۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ طالب علموں میں ایمان اور اخلاص نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ چنانچہ ایک طالب علم سے جب میں نے پوچھا۔ کہ تم یہ سمجھ لو۔ کہ ہم نے جس امداد کا وعدہ کیا ہے۔ ممکن ہے اتنا بھی نہ دے سکیں۔ تو اس نے جواب دیا کہ جو کچھ آپ دے رہے ہیں یہ تو احسان ہے اللہ تعالیٰ کی قسم آپ اس وقت کہیں کہ چین چلے جاؤ۔ تو میں

ٹوکری ہاتھ میں لیکر

مزدوری کرتا ہوا روانہ ہو جاؤں گا۔ یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ لڑکوں کی ذات میں اخلاص ہے۔ مگر یہ اخلاص استاد تو پیدا نہیں کرتے۔ یہ

ماحول کا نتیجہ

ہے۔ ورنہ جو کام استادوں کا ہونا چاہیئے تھا وہ نہیں ہوا وہ ہیرے میں مگر بے کلٹے ہوئے۔ ہم نے مدرسہ اور جامعہ میں انہیں اس لئے بھیجا تھا۔ کہ تا وہ ہیرے ہمیں کاٹ کر بھیجے جائیں مگر وہ پھر بے کٹے ہمارے پاس آ گئے۔ یہ ایک اتنی بڑی کوتاہی ہے کہ میں سمجھتا ہوں سینکڑوں طالب علم ہیں۔ جن کی زندگیاں تباہ کر دی گئیں۔ اور انہیں ملنٹے اور

مسجد کے کنگال مولوی

بنا دیا گیا ہے۔ نہ ان کے دماغوں میں کوئی تعمیری پروگرام ہے۔ نہ ان کی آنکھوں میں عشق ہے۔ اور نہ ان کے

سینوں میں سلگتی ہوئی آگ

ہے اگر آگ ہے تو دبی ہوئی۔ مگر دبی ہوئی آگ کیا فائدہ دے سکتی ہے۔ بند ایمان کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ بلکہ وہی ایمان فائدہ دے سکتا ہے جو کھلا ہو اور ایمان جب کھلتا ہے۔ تو

انسان کو وسعت خیال حاصل ہو جاتی ہے۔ روز

نئی نئی سکیمیں

اسے سوجھتی ہیں۔ نئے سے نئے ارادے اور نئی سے نئی امنگیں اس کے دل میں موجزن ہوتی ہیں۔ اور اگر امنگ پیدا ہو۔ تو پھر وہ چھپ نہیں سکتی۔ بلکہ ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ بند ہنڈیا میں اگر دھواں جمع ہو جائے۔ تو دھوئیں کی وجہ سے اچھلنے لگ جاتی ہے۔ جب ایک ہنڈیا دھوئیں سے اچھل سکتی ہے۔ تو کیا مومن کے اندر اگر وسعت خیال اور امنگیں داخل ہو جائیں۔ تو وہ نہیں اچھلے گا ریل ایجاد ہوئی۔ تو محض اسی بات سے۔ کہ ایجاد کرنے والے نے ایک دن دیکھا۔ کہ بند ہنڈیا دھوئیں سے اچھل رہی ہے اس کے ذہن میں معاً بات آئی۔ اور اس نے ایک انجن بنایا۔ جس میں دھواں بھر دیا۔ اور وہ چلنے لگ گیا۔ تو بخارات بھی اگر بند ہوں۔ تو ہنڈیا کو اچھال سکتے ہیں۔ تو جس کے دل میں

ایمان اور محبت کا دھواں

اٹھ رہا ہو۔ وہ کس طرح کم حوصلہ ہو سکتے ہیں۔ مگر میں نے جامعہ کے طالب علموں کو ایسا دیکھا کہ گویا وہ بڑے بڑے پتھروں کے نیچے دبے پڑے ہیں۔ حالانکہ انہیں

غباروں کی طرح اڑنا

چاہیئے تھا۔ اور بجائے اس کے کہ ہم کہتے جاؤ۔ اور خدا کے دین کی تبلیغ کرو۔ وہ خود دیوانہ وار تبلیغ کے لئے نکل کھڑے ہوتے۔ مگر ان غریبوں نے جو ایمان پیدا کیا۔ مدرسوں اور پروفیسروں نے اسے صیقل کرنے کی طرف دھیان ہی نہیں کیا۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں۔ یہ

سینکڑوں خون

ہیں۔ جو ان کی گردنوں پر رکھے جائیں گے۔ جس طرح ایک دیوار کے سامنے جب آدمی کھڑا ہو جائے۔ تو اسے آگے جانے کا راستہ نہیں ملتا۔ اسی طرح میں نے ان کے دماغ میں کرید کرید کر جانا چاہا۔ مگر مجھے معلوم ہوا۔ کہ ان کا دماغ محض ایک دیوار ہے۔ سر ٹکرا کر مر جاؤ۔ مگر آگے راستہ نہیں ملے گا۔ غضب یہ کہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں

تک انہوں نے نہیں پڑھیں۔ جس سے بھی سوال کیا گیا۔ کورس کی کتابوں کے سوا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں میں سے دو ایک کے علاوہ وہ کسی کا نام نہ لے سکا۔ اگر انہیں اپنے

ایمانوں کی مضبوطی کا خیال

ہوتا۔ تو کیا ہو سکتا ہے۔ کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کا مطالعہ نہ کرتے۔ مجھے تو یاد ہے۔ جب میں سکول میں پڑھا کرتا تھا۔ ہمیشہ مجھے کوئی نہ کوئی بیماری رہتی تھی اور مدرسہ سے بھی اکثر ناغے ہوتے۔ مگر اس عمر میں ہی میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں پڑھی ہیں بعض دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بستہ میں کوئی نئی کتاب رکھی۔ تو وہیں سے کھسکا کر لے جاتی اور شروع سے آخر تک اسے پڑھتا۔ بلکہ موجودہ عمر میں میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کم کتابیں پڑھی ہیں۔ کیونکہ اب میرے علم کے استعمال کرنے کا وقت ہے۔ مگر چھوٹی عمر میں جب مدرسہ کی پڑھائی سے بوجہ بیماری فراغت ہوتی۔ اور اور کام نہ ہوتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں میں بہت پڑھا کرتا تھا۔ اور درحقیقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں ہی

علم کا سمندر

ہیں۔ اس وقت جبکہ اکثر لوگ خود ہی مسیح کو وفات یافتہ کہہ رہے ہیں۔ ان بحثوں میں کیا رکھا ہے۔ کہ وفات مسیح کے یہ دلائل ہیں۔ اور فلاں نے علامہ نے یہ لکھا۔ اور فلاں امام نے یہ لکھا۔ کن چیزوں پر حصر کرنے کا نام علم رکھ لیا گیا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں۔ کہ یہ بالکل بے کار چیزیں ہیں۔ یہ بھی مفید چیزیں ہیں۔ مگر ان کی

مزید تحقیق کی چنداں ضرورت نہیں

ان کے لئے کافی ذخیرہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب میں آچکا ہے۔ اب ان سوالات سے ایسا ہی تعلق ہونا چاہیئے تھا۔ جیسا

سیر فی الکتب

کرتے ہوئے کوئی نئی بات آگئی۔ تو اسے معمولی طور پر نوٹ کر لیا۔ مگر اس پر اپنے دماغوں کو لگانے اور اپنی محنت کو ضائع کرنے کے کیا معنی ہیں۔ تمہیں اس سے کیا تعلق کہ فلاں امام نے کیا لکھا۔ تمہیں تو اپنے اندر ایک آگ پیدا کرنا چاہیئے ایمان پیدا کرنا چاہیئے۔ اخلاق پیدا کرنے چاہئیں۔ امنگیں پیدا کرنی چاہئیں۔ اور تمہیں سمجھنا چاہیئے۔ کہ تمہیں خدا نے کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور تم زمین میں اس کے خلیفہ ہو۔ پھر تم اخبار میں پڑھتے۔ اور جہاں جہاں مسلمانوں کو تکالیف و مصائب میں گرفتار پاتے۔ تمہارے

دلوں میں ٹیسیں

اٹھتیں۔ اور تم ان کی بہبودی کے لئے کوششیں کرتے۔ مگر تم دنیا کے حالات سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہو۔ اور جیسے

ترکوں کے حرم

مشہور ہیں۔ اسی طرح طالب علموں کو حرم بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ پس جہاں ایک طرف مجھے خوشی ہوئی۔ کہ لڑکوں میں اخلاص پایا جاتا ہے۔ بلکہ بعض کا اخلاص تو ایسا تھا جو دلوں پر رقت طاری کر دیتا۔ اور وہ اپنی مثال آپ تھا۔ مگر وہ ان

بے بس قیدیوں سے مشابہت

رکھتے تھے۔ جن کے ہاتھ پاؤں جکڑ دیئے جائیں۔ اور وہ مرنے کے لئے تو تیار ہوں۔ مگر انہیں یہ معلوم نہ ہو۔ کہ اپنی جان کو کس طرح بچایا جا سکتا ہے۔ لیکن مومن کو خدا تعالےٰ نے اس لئے تو پیدا نہیں کیا۔ کہ وہ مر جائے۔ بلکہ اس لئے پیدا کیا ہے۔ کہ وہ خود بھی زندہ رہے۔ اور دوسروں کو بھی زندہ رکھے۔ نپولین کے گارڈز کی مثال میں نے کئی دفعہ سنائی ہے۔ کہ ایک جنگ میں ان کا سامان ختم ہو گیا۔ لوگوں نے انہیں کہا۔ کہ میدان سے بھاگتے کیوں نہیں۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ نپولین نے ہمیں بھاگنا سکھایا نہیں۔ اگر میں ان طالب علموں سے کہتا۔ کہ جاؤ اور

آگ میں کود پڑو

تو وہ آگ میں کودنے کے لئے تیار تھے۔ اگر میں انہیں کہتا۔ کہ سمندر میں کود جاؤ۔ تو وہ سمندر میں بھی کودنے پر تیار تھے۔ مگر وہ آگ سے نکلنے کا راستہ نہیں جانتے۔ اور نہ

سمندر میں تیرنے کا مادہ

ان میں ہے۔ حالانکہ جب میں لوگوں سے کہتا ہوں۔ کہ مر جاؤ۔ تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا۔ کہ اس کا نتیجہ تمہاری موت ہوگا کیونکہ مومن کو خدا کبھی ہلاک نہیں کرتا۔ اور

مومن کی جان

سے زیادہ اور کوئی قیمتی چیز اللہ تعالےٰ کے نزدیک نہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کو اس سے زیادہ صدمہ اور کسی وقت نہیں ہوتا۔ جتنا ایک مومن بندے کی جان نکالتے وقت اسے ہوتا ہے ؛

پس مومن کی جان تو اتنی قیمتی چیز ہے۔ کہ اس کے نکلنے سے

عرش الٰہی

بھی کانپ اٹھتا ہے۔ اور گو مومن کو خدا ہلاک کرنے کے لئے پیدا نہیں کرتا۔ مگر مومن کا یہ فرض ضرور ہوتا ہے کہ وہ اپنی

جان دینے کے لئے تیار

رہے۔ ہاں اپنی تدبیروں کو وسیع رکھے۔ اور نہ صرف اپنی جان بلکہ ہزاروں جانوں کے بچانے کے خیالات اس کے دل میں سمائے رہیں ؛

پس میں جہاں جماعت کو قربانیوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ وہاں

ذمہ دار کارکنوں اور صدر انجمن کو بھی توجہ

دلاتا ہوں۔ کیونکہ ان پر بھی بہت بڑی ذمہ واری عائد ہوتی ہے۔ اور وہ بھی اسی طرح ان طالب علموں کے خون میں شریک ہے۔ جس طرح

جامعہ کے پروفیسر اور اساتذہ

اس میں شریک ہیں۔ صدر انجمن محض ریزولیوشنز پاس کر دینے کا نام نہیں۔ نہ صدر انجمن اس امر کا نام ہے۔ کہ کسی صیغہ کے لئے افسر مقرر کرکے اسے نگرانی کے بغیر چھوڑ دیا جائے

صدر انجمن کا فرض

ہے۔ کہ وہ طالب علموں کے ذہنوں۔ ان کی امنگوں اور ان کے ارادوں میں وسعت پیدا کر دے۔ ان کے اندر ایک بیداری اور

زندگی کی رُوح

پیدا کرے۔ ان کے خیالات میں وسعت پیدا کرے۔ اور اگر مدرس مفید مطلب کام کرنے والے نہ ہوں۔ تو صدر انجمن کا فرض ہے۔ کہ انہیں نکال کر باہر کرے۔ ہم نے طالب علموں کا خالی اخلاص کیا کرنا ہے۔ اس کے ساتھ کچھ سمجھ اور عقل بھی تو چاہیئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں

تفقہ کا مادہ

دوسرے صحابہ سے کم تھا۔ مولویوں نے اس پر شور مچایا مگر جو صحیح بات ہو وہ صحیح ہی ہوتی ہے۔ آج کل جس قدر

عیسائیوں کے مفید مطلب احادیث

ملتی ہیں۔ وہ سب حضرت ابوہریرہ سے ہی مروی ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ وہ سیاق و سباق کو نہ دیکھتے اور گفتگو کے بعض ٹکڑے بغیر پوری طرح سمجھے آگے بیان کر دیتے۔ مگر باقی صحابہ سیاق و سباق کو سمجھ کر روایت کرتے۔ اسی طرح اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق روایتیں چھپنی شروع ہوئی ہیں۔ جن میں سے کئی ایسے لوگوں کی طرف سے بیان کی جاتی ہیں جنہیں تفقہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور اس وجہ سے ایسی روایتیں چھپ جاتی ہیں۔ جن پر لوگ ہمارے سامنے اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ روایت چھپ گئی تھی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب

آتھم کی میعاد

میں سے صرف ایک دن باقی رہ گیا۔ تو بعض لوگوں سے کہا کہ وہ اتنے چنوں پر اتنی بار فلاں سورۃ کا وظیفہ پڑھ کر آپ کے پاس لائیں۔ جب وہ وظیفہ پڑھ کر چنے آپ کے پاس لائے تو آپ انہیں قادیان سے باہر لے گئے۔ اور ایک غیر آباد کنوئیں میں انہیں پھینک کر جلدی سے منہ پھیر کر واپس لوٹ آئے۔ میرے سامنے جب اس کے متعلق اعتراض پیش ہوا۔ تو میں نے روایت درج کرنے والوں سے پوچھا۔ کہ یہ روایت آپ نے کیوں درج کر دی۔ یہ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صریح

عمل کے خلاف

ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نعوذ باللہ ٹونے وغیرہ کیا کرتے تھے۔ اس پر جب تحقیقات کی گئی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ کسی شخص نے ایسا خواب دیکھا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے جب اس خواب کا ذکر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اسے ظاہری شکل میں ہی پورا کر دو۔ اب خواب کو پورا کرنے کے لئے ایک کام کرنا بالکل اور بات ہے۔ اور ارادتاً ایسا فعل کرنا اور بات اور ظاہر میں خواب کو بعض دفعہ اس لئے پورا کر دیا جاتا ہے۔ کہ تا اگر اللہ تعالیٰ چاہے۔ تو اس کا

مضر پہلو

اپنے حقیقی معنوں میں ظاہر نہ ہو۔ چنانچہ معبرین نے لکھا ہے۔ کہ اگر منذر خواب کو ظاہری طور پر پورا کر دیا جائے۔ تو وہ وقوع میں نہیں آتی۔ اور خدا تعالیٰ اس کے ظاہر میں پورے ہو جانے کو ہی کافی سمجھ لیتا ہے۔ اس کی مثال بھی ہمیں احادیث سے نظر آتی ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا۔ کہ سراقہ بن مالک کے ہاتھوں میں

کسریٰ کے سونے کے کنگن

ہیں۔ اس رؤیا میں اگر ایک طرف اس امر کی طرف اشارہ تھا۔ کہ ایران فتح ہوگا۔ تو دوسری طرف یہ بھی اشارہ تھا کہ ایران کی فتح کے بعد ایرانیوں کی طرف سے بعض مصائب و مشکلات کا آنا بھی مقدر ہے۔ کیونکہ خواب میں اگر سونا دیکھا جائے۔ تو اس کے معنے

غم اور مصیبت

کے ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رؤیا کے اس مفہوم کو سمجھا اور سراقہ کو بلا کر کہا کہ پہن کڑے۔ ورنہ میں تجھے کوڑے ماروں گا۔ چنانچہ اسے سونے کے کڑے پہنائے گئے۔ اور اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس رؤیا کے غم اور فکر کے پہلو کو دور کرنا چاہا۔ مگر ظاہری صورت میں خواب کو پورا کر دینے کے باوجود پھر بھی خواب کا کچھ حصہ حقیقی معنوں میں پورا ہو گیا۔ کیونکہ

حضرت عمرؓ کو شہید کرنیوالا

ایک ایرانی ہی تھا۔ پھر

ایران میں شیعیت

نے جو ترقی کی۔ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے لئے غم اور مصیبت ہی بنی رہی ہے۔ مگر یہ بات تب کھلی۔ جب میں نے دریافت کیا۔ کہ ایسی روایت کیوں درج کر دی گئی ہے۔ غرض

عقل اور فہم کی زیادتی

اخلاص کے ساتھ نہایت ہی ضروری ہوتی ہے۔ ورنہ بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شکایت آئی۔ کہ کچھ عورتیں اپنے

مرے پر نوحہ

کر رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا انہیں منع کرو۔ مگر جب منع کرنے کے باوجود وہ نہ رکیں۔ اور دوبارہ آپ کے پاس شکایت کی گئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ ان کے مونہہ میں مٹی ڈالو۔ یہ تو

عربی زبان کا ایک محاورہ

ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ہمارے ملک میں بھی کہہ دیتے ہیں کہ کھاوے۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ وہ مٹی کھاوے۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر نہیں مانتا تو نہ مانے۔ غرض عربی زبان کا یہ محاورہ ہے۔ کہ جب کسی کے متعلق کہنا ہو۔ کہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ تو کہتے ہیں اس کے مونہہ میں مٹی ڈالو۔ مگر سننے والوں نے یوں فرمانبرداری کرنی شروع کی۔ کہ مٹی کے بورے بھر لئے۔ اور ان عورتوں کے مونہوں پر مٹی پھینکنی شروع کر دی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کو معلوم ہوا۔ تو آپ سخت ناراض ہوئیں۔ اور فرمایا ایک تو ان کے گھر میں ماتم ہو گیا ہے اور دوسرا تم ان پر مٹی ڈالتے ہو۔ رسول اللہ کا یہ منشاء تو نہ تھا۔ جو تم سمجھے۔ پس اخلاص کے ساتھ عقل و فہم نہایت ضروری ہوتا ہے۔ صرف عربی کتابیں رٹوا دینے سے کیا بن جاتا ہے۔ جب تک فہم و فراست نہ پیدا کی جائے۔

وسعت حوصلہ

نہ پیدا کی جائے اور اس بات کی حرص نہ پیدا کی جائے۔ کہ انہوں نے دنیا کو فتح کرنا ہے پس صدر انجمن پر بہت بڑی ذمہ واری عائد ہوتی ہے۔ اور پروفیسروں پر بھی۔ اور میں امید کرتا ہوں۔ کہ صدر انجمن کورسوں کو بدل کر استادوں کو بدل کر نظام بدل کر طریق نگرانی کو بدل کر ایسا انتظام کرے گی۔ کہ ہمارے طالب علم

ایک زندہ دل اور

امنگوں سے بھرا ہوا دل

لے کر نکلیں گے۔ اور ہر تغیر جو دنیا میں پیدا ہوگا انہیں قربانی پر آمادہ کرے گا۔ اور ہر تغیر ان کے دل میں ایسی گدگدی پیدا کر دے گا۔ کہ وہ خدا کے دین کی آواز پر لبیک کہے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ ایسے طالب علم جب پیدا ہو جائیں گے تو ہمیں کسی

مبلغ کی ضرورت

نہیں رہے گی۔ یہ لوگ اپنی ذات میں مبلغ ہونگے اور بغیر کسی تحریک کے آپ ہی دنیا کی ہدایت کیلئے گھر سے نکل کھڑے ہونگے۔ ورنہ پر تکلف مبلغ سے دنیا کیا فائدہ حاصل کر سکتی ہے۔ اب بہت سے لوگ شکائتیں کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے

مبلغوں کی ڈاڑھیاں

چھوٹی ہوتی ہیں۔ میں نے بھی یہ نقص دیکھا ہے۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ ان کی ڈاڑھی چھوٹی تھی۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لمبی ڈاڑھی رکھا کرتے تھے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی لمبی ڈاڑھی تھی۔ اور میری ڈاڑھی بھی لمبی ہے۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی بڑی ڈاڑھی تھی۔ حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی بھی بڑی ڈاڑھی تھی۔ یہ مان لیا کہ حضرت علیؓ کی چھوٹی ڈاڑھی تھی۔ مگر ممکن ہے۔ اس کی وجہ ان کی کوئی بیماری ہو یا کوئی اور۔ اور اگر یہ بات نہ بھی ہو۔ تب بھی کیوں

رسول کریم صلعم کی نقل

نہ کی جائے۔ اور حضرت علیؓ کی نقل کی جائے۔ بہرحال ڈاڑھیوں میں نقص ہے۔ اسی طرح ہمارے مبلغ

ظاہری تکلفات

کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ اور اکثر یہ شکایت کرتے رہتے ہیں۔ کہ فلاں جگہ کی جماعت اتنی سست ہے۔ کہ ہم وہاں گئے مگر اس نے ہم سے کام نہیں لیا۔ حالانکہ یہ مبلغ کا اپنا فرض ہے۔ کہ وہ کام کرے۔ کیونکہ ہم تو مبلغ سمجھتے ہی اس کو ہیں جو آگ ہو۔ کبھی آگ بھی کہا کرتی ہے کہ مجھے سلگایا نہیں جاتا۔ وہ تو خود بخود سلگتی ہے۔ اور اگر ایک گھر کو لگتی ہے۔ تو ساتھ کے دس گھروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ پس اگر کوئی مبلغ ایسا ہے تو وہ مبلغ نہیں بلکہ اپنے دین اور

ایمان سے تمسخر کرنے والا

ہے۔ پھر عام طور پر شکایت آتی ہے۔ کہ ہمارے مبلغ اکثر انہی مقامات میں جاتے ہیں۔ جہاں پہلے سے احمدی موجود ہوں۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریق عمل یہ تھا کہ آپ

غیر قوموں کے پاس

جاتے اور انہیں تبلیغ اسلام کرتے۔ یہ نقص اسی وجہ سے واقع ہوا ہے۔ کہ ہمارے مبلغوں میں وسعت خیال نہیں میرا یہ مطلب نہیں کہ مبلغین میں کوئی خوبی نہیں۔ ان میں خدا تعالیٰ کے فضل سے

اچھے اچھے مخلص

ہیں۔ اور جس قربانی کا بھی ان سے مطالبہ کیا جائے۔ اسے پورا کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ چنانچہ طالب علموں کے اخلاص کا جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ ہمارے مبلغین اللہ تعالیٰ کے فضل سے کس قدر اخلاص رکھتے ہونگے۔ مگر ان کے یہ جوہر پوشیدہ رکھے گئے ہیں۔ اور انہیں تراشا اور بنایا نہیں گیا۔ پس ذمہ دار کارکنوں کو میں توجہ دلاتا ہوں۔ کہ طالب علموں کے اندر وسعت خیال اور علو ہمت پیدا کرو۔ تمام قسم کی دیواروں سے نکال کر انہیں کھلی ہوا میں کھڑا کرو۔ اور ان کے ذہنوں کو بجائے مباحثات کی طرف لگانے کے

دنیا کی روحانی اخلاقی اور تمدنی ضروریات

اور ان کے علاج کی طرف لگاؤ۔ پس اس خطبہ کے ذریعہ جہاں میں پروفیسروں ذمہ دار کارکنوں اور صدر انجمن کو طلباء "جامعہ" کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ وہاں جماعت سے بھی کہتا ہوں۔ کہ وہ اپنے

ایمان کا معیار

صرف یہ نہ سمجھ لے۔ کہ اس نے تحریک جدید میں حصہ لیکر میرے مطالبہ کو پورا کر دیا۔ بلکہ ہر جماعت کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ اپنے

چندوں کی باقاعدہ ادائیگی

کی طرف توجہ کرے۔ اور ہر جماعت کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ اپنے اپنے بقائے پورے کرے۔ اس کے علاوہ جماعت کا ہر فرد یہ کوشش کرے کہ وہ اپنی زندگی کا ایک حصہ خدمت سلسلہ کے لئے وقف کر دے۔ اور اگر اسلام کی طرف سے دوسری آواز اٹھے۔ تو وہ اپنا سارا وقت خدمت اسلام پر لگانے کے لئے کمربستہ رہے۔ یاد رکھو۔ بغیر

جانوں کی قربانی

کے یہ سلسلہ ترقی نہیں کر سکتا۔ چونہ اور قلعی سے مکان نہیں بنا کرتا۔ بلکہ مکان اینٹوں سے بنتا ہے۔ اسی طرح الٰہی سلسلہ روپوں کے ذریعہ نہیں۔ بلکہ جانوں کو قربان کرنے کے بعد ترقی کیا کرتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں۔ کہ ہمارے دوست اس ماحول کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اور ہر قسم کی افسردگی کو اپنے دلوں سے دور کر کے

سلسلہ کی ضروریات

کو سمجھتے ہوئے اس اخلاص کے ساتھ جس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ پیدا ہو چکا ہے۔ اس ایمان کے ساتھ جس کے متعلق مجھے یقین ہے۔ کہ پیدا ہو چکا ہے۔ آگے بڑھیں گے۔ اور چندوں کی ادائیگی کے علاوہ اپنی جانوں کی قربانی کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کریں گے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ ابھی ہماری جماعت کی مثال بالکل ایسی ہی ہے۔ جیسے سوتے ہوئے کسی شخص کو جگا دیا جائے۔ تو وہ گھبرا کر یہ کہتا ہوا۔ اٹھے کہ کیا ہو گیا کیا ہو گیا مگر میں کہتا ہوں اب آنکھیں کھولو۔ اور بیدار ہو کہ

تمہارے گھر کو آگ لگنے والی ہے

پریشانی کی حالت دور کرو۔ اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان قربانیوں کو جو تمہارے سامنے پیش کی گئی ہیں۔ اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان حالات کو جو آج کل تمہارے خلاف پیدا ہو رہے ہیں۔ تب اور صرف تب تم میں ہمت پیدا ہوگی۔ تمہیں صحیح قربانی کی بھی توفیق ملے گی۔ اور تبھی اس کے

صحیح نتائج

بھی تمہارے لئے پیدا ہونگے۔

کلرکوں اور سٹورکیپروں کی ضرورت

آئی۔ اے۔ ایس۔ سی (I. A. S. C.) میں کلرکوں اور سٹورکیپروں کی ضرورت ہے۔ اسامیاں بہت محدود ہیں۔ امتحان مقابلہ تقریباً ہر چھاؤنی میں ۲۵ مارچ ۱۹۳۵ء کو ہوگا امتحان میں شامل ہونے والے درخواست کنندہ کی عمر یکم مارچ تک ۲۲ سال دس ماہ سے زائد نہیں ہونی چاہیئے امتحان میں شمولیت کے لئے اپنے ڈسٹرکٹ کے اے ڈی۔ ایس۔ اینڈ۔ ٹی سے درخواست کے فارم اور اس کے متعلق دیگر ہدایات و تفصیلات منگوا کر ۱۴ فروری ۳۵ء تک اپنی درخواستیں معہ پانچ روپے فیس داخلہ امتحان بھیج دیں۔

ناظر امور عامہ

احمدیوں کے خلاف احراری مولوی کی مضافات قادیان میں شرارتیں

نہایت ہی اشتعال انگیز اور امن شکن تقریر

قادیان میں مقیم احراری مولوی عنایت اللہ کا ۱۸ جنوری کا خطبہ جمعہ الفضل کے گذشتہ پرچہ میں درج کیا جاچکا ہے جس میں اس نے دھمکی دی ہے۔ کہ میں دیہات میں دورہ کے لئے جانے والا ہوں۔ اور ایسی تنظیم کروں گا۔ کہ مرزائی جہاں بھی جائیں گے۔ جوتے کھائیں گے۔ ہم آج تک اس فتنہ پرواز اور پست اخلاق انسان کی شرانگیز تقریروں اور اس کے دوروں کی تفاصیل اخبار میں اس لئے درج نہیں کرتے رہے۔ کہ ہم یہ پسند نہیں کرتے تھے۔ کہ ایسی باتوں کو اشاعت دے کر فضا کو خراب کریں۔ لیکن اب چونکہ اس بلید فطرت انسان کی شرارت حد انتہاء سے گذر گئی ہے۔ اور ذمہ دار حکام نے اس بارے میں اپنی فرض ناشناسی کا پورا پورا ثبوت دے دیا ہے۔ اس لئے اب ہم اس کی شرانگیزیوں کا شریف پبلک اور اعلےٰ حکام کی آگاہی کے لئے ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

جمعہ کے دن اپنی تقریر میں اردگرد کے علاقہ میں دورہ کرکے احمدیوں کے خلاف لوگوں کو اشتعال دلانے کا اعلان کرنے کے بعد یہ شخص کوٹ محمد خاں دنار پور علاقہ بیٹ میں گیا۔ اور وہاں اس نے نہایت ہی گندی اور اشتعال انگیز تقریر کی۔ جس میں کہا۔

"مرزا نے اپنے شہر سے غریب لوگوں کو نکال دیا ہے۔ اگر مرزا یا اس کا کوئی مرید اس جگہ آئے تو کیا اس کو آنے دوگے (آوازیں بالکل نہیں) اگر مرزا کو مارنا چاہتے ہو۔ تو مہینہ میں کم سے کم ایک جمعہ قادیان آکر پڑھا کرو۔ ایک بات اور ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر مرزائیوں کو ڈرانا چاہتے ہو۔ یا یہ چاہتے ہو۔ کہ تمہارے گاؤں میں وہ نہ آئیں۔ تو ایک لال جھنڈے کی ضرورت ہے۔ کسی مکان کے اوپر گاڑ دیں۔ یا مکان نہ ہو۔ تو مسجد پر گاڑ دیں۔ مرزائی دور سے دیکھ کر بھاگ جائیگا اور گاؤں میں داخل نہیں ہوگا۔

تمہارے غریب بھائی قادیان آتے جاتے ہیں۔ ان کے کھانے کا انتظام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے تم چار آدمیوں کی کمیٹی بناؤ۔ اور گاؤں سے آٹا جمع کرکے قادیان روانہ کیا کرو۔ تاکہ اپنا لنگر جاری کرسکیں۔ مرزا محمود کو ہم کہتے ہیں۔ کہ وہ باہر آکر ہم کو بتائے۔ کہ اس کا باپ سچا ہے یا نہیں۔ اور ہم نے کئی دفعہ چیلنج دیا ہے۔ کہ گورنمنٹ آفیسروں کے روبرو سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری سے یا مولوی حبیب الرحمٰن صاحب سے یا مجھ سے مناظرہ کرلے مگر وہ اپنی جان بچانے کے لئے اندر ہی گھستا ہے۔ باہر مقابلہ کرنے کے لئے کیوں نہیں نکلتا۔ کبھی وہ اپنی کوٹھی پر کتوں کے پہرے لگاتا ہے۔ کبھی آدمیوں کے پہرے لگاتا ہے۔ لیکن جب خدا کو منظور ہوا۔ تو کتوں اور پہرہ داروں نے ہی اس کو کھا جانا ہے"۔

ہم یہ اقتباس درج کرنے کے بعد قیام امن کے ذمہ دار افسروں سے دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ کیا اس سے زیادہ منافرت پیدا کرنے والی اشتعال انگیز اور قتل پر لوگوں کو اکسانے والی کوئی تقریر ہوسکتی ہے۔ اور وہ کیوں ایسے فتنہ پرداز شخص کے مونہہ میں لگام نہیں دیتے۔ کیا وہ واقعی قتل و خونریزی دیکھنا چاہتے ہیں۔ جس کے لئے یہ شخص کوششیں کررہا ہے۔

ایک مفلوک الحال پٹھان کا ارتداد

اخبار "زمیندار" اور "احسان" میں بڑے جلی اور طول طویل عنوانات کے ساتھ ایک شخص جلال دین کے مرتد ہونیکا اعلان کیا گیا ہے۔ "زمیندار" نے اسے "صوبہ سرحد میں اسلام اور مرزائیت کی ٹکر کا انجام" قرار دیا ہے۔ اور "احسان" نے "مرزائیت کے قصر خلافت میں زلزلہ" بتا کر خوب بغلیں بجائی ہیں۔ اور غلط بیانیوں کا طومار کھڑا کردیا ہے۔ چنانچہ جلال الدین کو نہ صرف مولوی فاضل بتایا گیا ہے۔ بلکہ یہ بھی لکھا گیا ہے۔ کہ "اس نے چار سال تک تبلیغ مرزائیت کے داؤ پیچ سیکھے۔ اور جب اس فن شریف میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہوگیا۔ تو خلیفہ قادیان نے انہیں معقول مشاہرہ دے کر کوہاٹ کے علاقہ میں نشر مرزائیت کی خدمت پر مامور کیا"۔ حالانکہ یہ شخص نہ مولوی فاضل ہے۔ نہ اسے کبھی مبلغین کی جماعت میں داخل کیا گیا۔ اور نہ بطور مبلغ کہیں مامور کیا گیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ قادیان میں کچھ عرصہ بطور طالب علم رہا۔ اور اپنے آپ کو احمدی کہتا رہا۔ لیکن جب وہ مولوی فاضل میں کئی بار فیل ہوا۔ دینیات میں بھی اس نے کوئی اچھا نمونہ نہ دکھایا اور احمدیت کے متعلق کوئی واقفیت حاصل نہ کی۔ تو جو اصحاب اس کی پرورش کے اخراجات برداشت کرتے تھے۔ انہوں نے مونہہ لگانا چھوڑ دیا۔ اور وہ قادیان سے چلا گیا۔ کوہاٹ جاکر معلوم ہوتا ہے۔ اپنے کھانے پینے کا اہتمام کرنے کی خاطر کچھ تو اس نے خود جھوٹ بولا۔ اور اپنے آپکو جماعت احمدیہ کا بہت بڑا مبلغ ظاہر کیا اور کچھ ان لوگوں نے جھوٹ ملایا۔ جن کے ہتھے چڑھا۔ ورنہ جو کچھ اس کے متعلق لکھا گیا ہے۔ اس میں ایک شائبہ بھی صداقت کا نہیں ہے۔

ایک سو سالہ حاجی صاحب کی قبول احمدیت

چند دن ہوئے ہرچوکی ضلع گوجرانوالہ کے ایک سو سالہ شخص حاجی الٰہی بخش صاحب کے بیعت کرکے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہونے کی خبر شائع ہوئی تھی۔ اسے پڑھ کر ان مخالف حلقوں میں جو حاجی صاحب موصوف کی بزرگی اور دینداری کے قائل تھے ماتم برپا ہوگیا۔ آخر ایک شخص حکیم صدیق احمد کی طرف سے اخبار زمیندار (۲۰ جنوری) نے اعلان کیا ہے۔ کہ "بات صرف اتنی تھی کہ حاجی صاحب کو مرزائیوں نے اپنے دام تزویر میں پھانسنے کی کوشش کی۔ لیکن انہوں نے فرمادیا ؎

بروایں دام بر مرغ دگر نہ ۔ کہ عنقا را بلند است آشیانہ

پھر لکھا ہے۔ "مرزائیوں نے ملکر مرزائیت قبول کرنیکی ترغیب دی۔ لیکن حاجی صاحب نے ہنسکر ٹال دیا۔ اور ان سے پیچھا چھڑا کر گھر واپس تشریف لے آئے۔ الحمد للہ وہ نہایت متدین بزرگ ہیں۔ اور مرزائیت سے سخت بیزار ہیں"۔ لیکن زمیندار اور اسکے دروغگو حکیم صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حاجی صاحب موصوف نے جو درخواست بیعت ارسال کی۔ اس پر اپنے انگوٹھے کا نشان ثبت کیا۔ اور وہ درخواست ہمارے پاس موجود ہے۔ جو ہر وقت نشانات انگوٹھا کے ماہر کے سامنے پیش کیجاسکتی ہے۔

عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپا۔ اور قادیان سے ہی شائع کیا۔ ایڈیٹر غلام نبی